ساجد حمید

صبر کیا ہے، اسے کیسے حاصل کریں؟

(۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

صبر کے مصاحب

صبر کے مفہوم کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان چیزوں کے ساتھ موازنہ کر کے اسے سمجھیں جن کا قرآن مجید نے صبر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس موازنے سے نہ صرف صبر کے سمجھنے میں ہمیں مدد ملے گی، بلکہ اخلاق و اوصاف میں سے بعض ایسی چیزیں بھی ہمارے سامنے آ جائیں گی جو قرآن مجید کے نزدیک صبر کی ساتھی اس کی مصاحب، اور اس کی معاون و مددگار ہیں۔ ہم ذیل میں صبر کے انھی مصاحب کا ذکر کریں گے۔

صبر اور شکر

اس دنیا میں انسانوں سے اصلاً مطلوب شکر گزاری کا رویہ ہے۔ اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی اور اس میں خیر کے راستے کا شعور رکھا تو ساتھ ہی یہ فرمایا کہ:

> إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا. (الانسان ۷۶: ۳)
>
> ''ہم نے انسان کو راہ سکھائی، چاہے (اب) یہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔''

شکر انسان سے اصلاً مطلوب ہے۔ نعمتیں پا کر آپے سے باہر نہ ہونا، تکبر نہ کرنا، اور اللے تللے نہ کرنا، حدود آشنا رہنا، غافل نہ ہو جانا، اور اسی طرح تنگ دستی اور مشکلات میں شکوہ شکایت پر نہ اتر آنا، مایوس نہ ہونا، مایوس ہو کر خداے حقیقی کو چھوڑ نہ دینا، سب شکر ہی ہے۔ مگر ہم پہلے رویے کے لیے شکر اور دوسرے رویے کے لیے صبر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے تفسیری روایات میں قرآن مجید کی اس آیت کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ کے حوالے سے نقل ہوا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں: ایک صبر اور دوسرا شکر۔ اس آیت کی وضاحت میں امام امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صبر اور شکر دونوں توام (جوڑا) ہیں۔ یہ دونوں بیک وقت مطلوب ہیں۔ جس کے اندر صبر نہ ہو وہ شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا اور جس کے اندر شکر نہ ہو وہ صبر نہیں کر سکتا۔ اس دنیا کے دار الامتحان میں ہر قدم پر بندے کا امتحان ہر وقت انھی دونوں چیزوں میں ہوتا رہتا ہے اور اسی امتحان پر اس کی اخروی کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہے۔'' (تدبر قرآن ۳۱۰/۶)

صبر اور شکر اصل میں اس شعور کے ساتھ زندہ رہنے کا نام ہے جسے قرآن مجید نے 'انا للّٰہ و انا الیہ راجعون' سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی جو کچھ آپ کو ملا ہے، وہ اللہ کی طرف سے ملا ہے اور جو کچھ آپ سے چھن گیا ہے، وہ بھی اللہ ہی نے چھینا ہے۔ یہ سب اسی کا تھا، اسی نے دیا تھا اور اسی نے لے لیا ہے۔ اور یہ لینا اور دینا سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ آپ کو آزمایا جا رہا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید کے اس مقام پر نگاہ ڈالتے ہیں جس میں فرمایا گیا ہے:

''اگر ہم انسان کو اپنے کسی فضل سے نوازتے ہیں، پھر اس سے اس کو محروم کر دیتے ہیں، تو وہ مایوس و ناشکرا بن جاتا ہے۔ اور اگر تکلیف کے آنے کے بعد، اس کو نعمت سے نوازتے ہیں، تو کہتا ہے کہ میری مشکلات رفع ہوئیں، پھر یہ ہوتا ہے کہ وہ اکڑنے والا اور شیخی بگھارنے والا بن جاتا ہے۔ اس سے صرف وہی بچے رہتے ہیں، جو صبر کرنے والے اور نیک اعمال کرنے والے ہیں، انھی کے لیے بڑی نجات اور بے انتہا اجر ہے''۔ (ہود ۱۱: ۹۔ ۱۱)

قرآن مجید کے اس اقتباس سے آپ یہ جان سکتے ہیں کہ صبر اور شکر پر قائم رہنے والے لوگ کس قدر متوازن رویہ کے حامل ہوتے ہیں، اگر انھیں ناسازگار حالات پیش آتے ہیں تو انھیں مایوسی اور دل شکستگی نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنے رب کے بھروسے پر صبر کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر سازگار حالات میسر آ جائیں، تو وہ اترانے والے اور فخر کرنے والے نہیں بن جاتے، بلکہ اپنے رب کے آگے اور جھک جاتے ہیں، جیسا کہ ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں کہ فتح مکہ نے آپ کی، گردن میں اکڑ کے بجائے فروتنی پیدا کی اور وہ عجز و انکسار سے اتنی جھک گئی کہ آپ کا سر اونٹنی کی گردن سے ٹکرانے لگا۔

اس بحث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہو گی کہ ایک ہی رویہ جو دو مختلف حالات میں ظاہر کیا جاتا ہے، اسے ہی صبر اور شکر کہتے ہیں۔ یعنی صبر اور شکر اصل میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اور یہ دو نام ان کو مختلف حالات کے دوران میں آپ کے ایک رویے کو دیے گئے ہیں۔ آپ کا یہ رویہ اصل میں یہ ہے کہ آپ کو

۱۔ مشکلات میں مایوس اور خدا بے زار اور

۲۔ خوش حالی میں مغرور و بے پروا

نہیں ہونا۔ بلکہ یہ سوچ کر کہ آپ کو خدا نے اس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا ہے اور آپ کو جو کچھ وہ دے رہا ہے اور جو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کچھ وہ چھین رہا ہے، وہ سب آپ کے امتحان کے لیے ہے، کہیں آپ کو صبر کرنا ہوگا اور کہیں شکر۔

صبر اور درگزر

صبر کا ایک ساتھی عفو و درگزر بھی ہے۔قرآن مجید نے ان دونوں کو یوں اکٹھا کیا ہے:

''جنھوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا، تو ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔الزام تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم اور زمین میں بغیر کسی حق کے سرکشی کرتے ہیں۔یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔اور جس نے صبر کیا، اور معاف کر دیا تو بے شک ایسا کرنا کارِ عزیمت ہے۔'' (الشوریٰ ۴۲: ۴۱۔۴۳)

اس آیت سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ دوسرے لوگ جب اذیت دے رہے ہوں اور آپ صبر کرنا چاہیں تو اس کا لازمی نتیجہ درگزر کی صورت میں نکلے گا۔مراد یہ ہے کہ صبر یہ نہیں ہے کہ آپ کسی کی اذیت کے جواب میں پہلے تو خاموش رہیں، مگر موقع پا کر اس سے خوب انتقام لے لیں۔

چنانچہ جب آپ پر کوئی اذیت کسی کی طرف سے آئے تو آپ کے لیے دو راستے ہیں ایک یہ کہ آپ اس آدمی سے انصاف کے مطابق بدلہ لے لیں۔اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ آپ اسے معاف کر دیں اور اس کی اذیت پر صبر کریں۔قرآن مجید کے نزدیک یہی دوسرا راستہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صبر سے مراد یہ ہے کہ آپ دوسروں کی ان خطاؤں سے درگزر کریں، جو آپ کے لیے باعث اذیت و نقصان ہیں۔اگر آپ نے صبر کیا ہے تو معاف کرنا ہوگا۔ورنہ آپ کا صبر بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

یہاں یہ نکتہ بھی واضح رہے کہ قرآن مجید کے نزدیک عفو و درگزر تقویٰ اور للّٰہیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔اس لیے کہ تقویٰ انسان کے خدا سے ایک تعلق کا نام ہے اور یہ تعلق اگر صحیح بنیادوں پر استوار ہو تو آدمی میں ایسی بصیرت پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے اندر ایک ہمت، شفقت اور دانائی پیدا ہو جاتی ہے، جو اس کے اندر معاف کر دینے کا حوصلہ پیدا کر دیتی ہے۔سورۂ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ، وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ. (۴۲: ۳۷)

''اور جو بڑی بڑی حق تلفیوں اور کھلی ہوئی بے حیائی سے بچتے ہیں اور وہ جب غصہ میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔''

یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ یہ آیت میں مذکور بڑے جرائم سے بچتے ہیں۔یعنی ان کا تقویٰ ان کو بڑی بڑی حق تلفیوں اور کھلی ہوئی بے حیائی سے روکتا ہے۔اور اسی طرح ان کا یہ تقویٰ غصہ کے وقت ان کے ہاتھ اور زبان کو روکے رکھتا ہے۔غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ 'کبائر الاثم' حق تلفی، ظلم اور ناانصافی کی طرز کی برائیاں ہیں، 'فواحش' نفس پرستی اور شہوت سے اٹھی ہوئی برائیاں ہیں اور 'غضب' (غصہ) انانیت، خودسری، استکبار اور خود پسندی سے وجود میں آتا ہے۔ان تمام

چیزوں سے آدمی کو بچانے والی چیز اصل میں تقویٰ ہے۔ اگر آدمی میں تقویٰ نہیں ہوگا تو آدمی ان سب برائیوں کے ساتھ ساتھ غصہ کو بھی چھوڑ نہیں سکے گا اور غصہ کے وقت بے قابو ہو جائے گا۔ اس کو روکنے والی چیز صرف تقویٰ ہے۔

جہاد اور صبر

جہاد جیسا کہ قرآن مجید سے واضح ہے، دین کی راہ میں مصائب جھیلنے اور قتال کرنے کے مفہوم میں آتا ہے۔ پہلے مفہوم کے لیے قرآن مجید نے سورۂ نحل میں جہاد کو صبر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے:

''پھر تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنھوں نے آزمایشوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور ثابت قدمی دکھائی (صبر کیا) تو ان باتوں کے بعد بے شک تیرا رب بڑا ہی بخشنے والا اور رحمت والا ہے''۔ (النحل ۱۶: ۱۱۰)

جہاد میں صبر کے معنی میدان جنگ سے فرار نہ ہونے کے بھی ہیں۔ قرآن مجید میں فرمان ہے:

... وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (البقرہ ۲: ۱۷۷)

''... اور وہ جو فقر و فاقہ، جسمانی تکالیف اور جنگ کے موقع پر ثابت قدم رہنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جنھوں نے راست بازی دکھائی اور یہی لوگ سچے متقی ہیں۔''

شاید صبر کے مواقع میں سے جہاد میں ثابت قدمی، جب جان جانے کا ڈر ہو، سب سے سخت موقع ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر مجاہدین میں ثابت قدمی کا وصف موجود نہ ہو تو جنگ ہار دی جائے گی۔ صبر کا یہ وصف جتنا قوی ہوگا میدان جنگ میں اتنا ہی مجاہدین کا پلڑا بھاری رہے گا۔ قرآن مجید میں اس بات کی طرف مختلف پہلوؤں سے اشارہ کیا گیا ہے۔

پہلی قسم کا جہاد جسے ہم مجاہدہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ دین اور خدا کی راہ میں عمومی زندگی میں مشقت برداشت کرنے والا ہی دین کی خاطر میدان جنگ میں بھی مشقت اٹھا سکے گا۔ جو آدمی نماز روزہ کی مشقت برداشت نہ کر سکے، وہ بھلا میدان جنگ کی صعوبتوں میں کیسے ثابت قدم رہ سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (آل عمران ۳: ۲۰۰)

''اے ایمان والو، اپنے اندر صبر پیدا کرو، اور دشمن کے مقابل میں ثابت قدمی دکھاؤ، اور سامان جنگ تیار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب رہو۔''

اس آیت میں دشمن کے مقابل میں صبر (صابروا) پر صبر (صبروا) مقدم ہے، اس لیے (صبروا) کا صبر عام صبر کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ جو دین و شریعت اور زندگی کے عام معاملات میں صبر و استقامت نہیں دکھاتا، وہ اصل میں اپنے آپ کو صبر میں ترقی کے سفر پر نہیں ڈالتا کہ جس کے بعد وہ صبر کے داعیات اور حوصلوں کو اپنے باطن میں پروان چڑھاتا چلا جائے۔ اور ان داعیات کی پرورش کرتے کرتے اس مقام تک جا پہنچے کہ آدمی میدان جنگ میں مردانہ وار لڑتے لڑتے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دے۔

www.javedahmadghamidi.com

ہماری ساری زندگی نفس کے ساتھ جہاد کی زندگی ہے۔ ہمیں اس جہاد میں صبر و استقامت دکھانی ہے۔ نفس کے تیر و تفنگ کے مقابلے میں صبر کی ڈھال اور اعمال صالح کی تلوار سے دفاع کرنا ہے۔ کوئی جنگ صرف ڈھال کی مدد سے نہیں لڑی جا سکتی۔ اس کے لیے تلوار کی بھی ضرورت ہے۔ نفس کے میدان جنگ میں صبر کی حیثیت ڈھال کی ہے اور اعمال کی حیثیت تلوار کی۔ صبر ہمارے اندر وہ وصف پیدا کر دیتا ہے، جس کے ذریعے سے ہم اپنے نفس کی شہوات اور لوگوں کی اذیتوں اور خدا کی طرف سے آئی ہوئی تقدیر کی سختیوں کی ضرب کو سہ لیتے ہیں۔ اور اعمال صالح ہمارے اندر کے باطل داعیات و جذبات کو ختم کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: 'ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر' بلاشبہ نماز کھلی بے حیائی اور منکر اعمال سے روکتی ہے۔

قربانی اور صبر

قربانی کا ایک نہایت ہی ایمان افروز واقعہ سیدنا ابراہیم کے فرزند اسماعیل کے ذبح سے متعلق ہے۔ جس میں جب سیدنا ابراہیم نے اپنے خواب کا ذکر اسماعیل علیہ السلام سے کیا تو انھوں نے آگے سے جواب میں کہا کہ:

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ. (الصافات ۳۷: ۱۰۲)

''اے ابا جان، جو آپ کو حکم ہوا ہے کر گزریے، آپ ان شاءاللہ مجھے صابر پائیں گے۔''

جہاد اور اس قربانی میں یہ امر مشترک ہے کہ دونوں میں جان کو خطرہ لاحق ہے۔ سیدنا اسماعیل کا اپنے رب کے حکم کے سامنے اس طرح سرافگندگی اس وقت اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اس آیت سے اگلی آیت میں اس قربانی کے حکم کا جو منشا سامنے آ رہا ہے، وہ یہ تھا کہ سیدنا ابراہیم سے یہ مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو خدا اور اس کے دین کی خدمت کے لیے نذر کر دیں۔ اور پھر اس قربانی کو ہماری عیدالاضحیٰ کی قربانی سے بدل دیا گیا۔ جواب اس بات کی علامت ہے کہ قربانی اصل میں اس بات کا نام ہے کہ ہم خدا کے حضور میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے ہر وقت حاضر ہیں۔

جان کا یہ نذرانہ جیسا کہ سیدنا اسماعیل کے جواب سے معلوم ہو رہا ہے ایک عظیم صبر کا مظہر ہے۔ اسماعیل علیہ السلام کی قربانی باپ اور بیٹا، دونوں کے لیے صبر کا ایک بڑا امتحان تھی۔ سیدنا ابراہیم کو یہ بیٹا ایک طویل مدت کے بعد عطا ہوا تھا، اور اس کے جوان ہوتے ہی اس کو طلب کر لیا گیا، اس میں ان کے لیے ثبات قدم اور حق کے آگے سرافگندگی کی عظیم آزمایش تھی۔

قربانی میدان جنگ میں ہو یا راہ حق میں اپنے آپ کو وقف کر دینے کی، دونوں کے لیے ایک حوصلہ، عزیمت اور صبر و استقامت کی ضرورت ہے۔ جو راہ خدا میں چھوٹی چھوٹی قربانیوں ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ آپ کبھی اپنی تفریحات کو خدا کے حکم کے لیے قربان کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی اپنے اوقات و لمحات کو، کبھی نیند توڑ کر اٹھ رہے ہوتے ہیں اور کبھی اپنے لذیذ کھانوں کو اٹھا کر فقیر کو دے رہے ہوتے ہیں۔ یہی وہ قربانی ہے جو سارا دن سامنے موجود رہتی ہے۔ ہر لمحہ ہم سے کسی چیز کو قربان کیے جانے کا مطالبہ ہو رہا ہوتا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہے: وقت، خواہش، مال، تمنا، اور نہ جانے کیا کیا چیزیں ہیں جن کے مطالبے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ کبھی فقیر دروازے پر ہوتا ہے اور کبھی کوئی ضرورت مند بھائی، کبھی ہمسایے کو ہمارے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی ہمیں ان کی، کبھی ملت پکار رہی ہوتی ہے اور کبھی دین کی نصرت۔ کبھی محلّہ مطالبہ لیے کھڑا ہوتا ہے اور کبھی پورا معاشرہ۔ کبھی ملک و قوم اور کبھی دنیا کی انسانیت۔ ہر موڑ پر ہم سے ایثار و قربانی کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ ان مطالبات پر اپنی جان و مال کی قربانی کے لیے اگر کوئی چیز کام آسکتی ہے تو وہ ثابت قدمی ہے۔ جسے قرآن صبر کہتا ہے۔

نماز اور صبر

نماز اور صبر کو قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایک ساتھ بیان کیا ہے۔ کہیں نماز صبر کے حصول کا ذریعہ ہے اور کہیں دوام نماز کا دارومدار صبر پر ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِھَا، وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ، فَسَبِّحْ، وَ اَطْرَافَ النَّھَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی. (۲۰:۱۳۰)	’’جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں، اس پر صبر کرو، اور اپنے رب کی، حمد کے ساتھ تسبیح کرو، سورج کے چڑھنے اور ڈوبنے سے پہلے، رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو، اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ تم نہال ہو جاؤ۔‘‘

یہاں صبر کے بعد پانچ وقت کی نماز کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ یہ بات واضح کی جائے کہ صبر نماز پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ سورۂ مزمل میں اس کو مزید کھول دیا گیا ہے، جہاں آپ کو اسی مقصد سے نماز کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسرا پہلو یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ صبر نماز کا اس لحاظ سے بھی مصاحب ہے کہ وہ نماز کے دوام و قیام کا سبب ہے۔ یہ بات بھی سورۂ طٰہٰ ہی میں بیان کی گئی ہے:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ، وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا. (۲۰:۱۳۲)	’’اپنے لوگوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی صبر سے اس پر جمے رہو۔‘‘

اس آیت میں صبر کے نماز کے ساتھ تعلق کا ایک دوسرا رخ واضح کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی نماز پر استقامت کے لیے اپنے اندر صبر کا وصف پیدا کرے۔ اگر صبر و استقامت کا یہ وصف اس کے اندر نہیں ہے تو وہ کبھی بھی اس نماز پر دوام سے قائم نہ رہ سکے گا۔

نماز ہمارے دل سے برائی کو ختم کرتی ہے۔ برائی کا خاتمہ کئی چیزوں سے ہمیں بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہ بے نیازی ہمارے اندر صبر کے وصف کو جنم دیتی ہے۔ یعنی ہم اس قابل ہو جاتے ہیں کہ نماز کے قیام کے لیے جب ہمیں اٹھنا پڑے تو خواہشات نفس کو جو نماز کے لیے اٹھنے میں رکاوٹ ہوتے ہیں انھیں اپنی بے نیازی کی وجہ سے قربان کر کے اٹھ سکیں۔

نماز دراصل اللہ کی یاد دہانی کا ذریعہ ہے۔ یہ یاد دہانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔ خدا کے ساتھ تعلق

کی مضبوطی دراصل انسان میں حوصلہ وہمت کو پیدا کرتی ہے، جس کی بنا پر آدمی بڑی سے بڑی مشکل اٹھانے کی ہمت اپنے اندر پیدا کرلیتا ہے۔ جیسا کہ ہم صحابۂ کرام میں دیکھتے ہیں کہ وہ بدروحنین میں کس تحمل سے اترتے اور عزم وحوصلہ کی عظیم الشان داستان رقم کردیتے ہیں۔

ہجر جمیل اور صبر

قرآن مجید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض مواقع پر جب صبر کا حکم دیا کہ آپ کفار کی باتوں اور اذیتوں پر صبر کریں تو ساتھ ہی آپ کو ہجر جمیل کا مشورہ بھی دیا۔ سورۂ مزمل میں یہ حکم یوں بیان ہوا ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا. (۷۳:۱۰)	''اور جو یہ لوگ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور خوب صورتی سے ان سے گریز کرلو۔''

مولانا امین احسن صاحب اصلاحی رحمہ اللہ اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

''چھوڑنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک چھوڑنا تو وہ ہے جو فضیحتا اور لعن طعن کے بعد، عناد وانتقام کے جذبہ کے ساتھ ہو۔ اس طرح کا چھوڑنا عام دنیاداروں کا شیوہ ہے۔ اخیار وصالحین یہ طریقہ اختیار نہیں کرتے۔... وہ لوگوں کے رویے سے مجبور ہوکر انھیں چھوڑتے تو ہیں، لیکن یہ چھوڑنا اس طرح کا ہوتا ہے جس طرح ایک شریف باپ اپنے نالائق بیٹے کے رویہ پر خاموشی اور علیحدگی اختیار کرلیتا ہے۔ اس طرح کے چھوڑنے کو یہاں ہجر جمیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح کی علیحدگی بعض اوقات اچھے نتائج پیدا کرتی ہے۔ جن کے اندر خیر کی کوئی رمق ہوتی ہے، وہ اس شریفانہ طرز عمل سے متاثر اور اپنے رویہ کا جائزہ لینے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔'' (تدبر قرآن ۹/۲۸)

سورۂ مزمل کی مندرجہ بالا اس آیت سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ صبر کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ کو اگر لوگوں کو راہ حق میں چلتے ہوئے چھوڑنا بھی پڑے تو انھیں خوب صورت طریقے سے چھوڑیں۔ اگر آپ نے چھوڑتے وقت گالی دی یا کینہ وعناد کے ساتھ چھوڑا تو یہ صبر کے طریقے کے خلاف ہوگا۔ اس آیت کی روشنی میں آپ صبر کے اس معنی کو بھی سمجھ سکتے ہیں کہ صبر اصل میں ایسے رویے کا نام ہے کہ اگر لوگوں کو چھوڑے بنا راہ حق واخلاق پر قائم رہنا ممکن نہ ہو تو صبر کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اخلاق و کردار اور اعلیٰ اوصاف پر قائم رہتے ہوئے انھیں چھوڑ دیں۔ اپنے سینے کو ہر طرح کے کینے اور نفرتوں سے پاک رکھیں۔ ان کو دھکے دے کر اور گالی گلوچ کے بعد رخصت نہ کریں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ چھوڑنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے لازمی فرائض وواجبات سے دست بردار ہوجائیں۔ آپ کو ان کے حقوق ادا کرنے ہیں۔ وہ بڑے ہیں تو ان کا احترام کرنا ہے۔ حاجت مند ہیں تو ان کی مدد کو آنا ہے۔ کمزور ہیں تو ان کا ساتھ دینا ہے۔ اگر یہ نہ کیا گیا تو آپ صابر نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ ہمیشہ کے لیے بالکل چھوڑ دینا تو غیر صابروں کا شیوہ ہے۔ جو ردعمل کا شکار ہوجاتے ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اولوالعزمی اور صبر

قرآن مجید میں صبر کا ایک ساتھی عزیمت کو بھی قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہیے کہ صبر کو عزیمت قرار دیا گیا ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ، اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ . (۱۷:۳۱)

''اور جو بھی مصیبت تمھیں پہنچے اس پر صبر کرو، بلاشبہ یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔''

سورۂ حٰمٓ میں یوں آیا ہے کہ

فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُوْلُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ . (۳۵:۴۶)

''تو تم اولوالعزم رسولوں کی طرح ثابت قدم رہو۔''

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر عزم و ہمت والے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ عزم کے معنی پختہ ارادہ کے ہیں۔ وہ آدمی اولوالعزم ہے، جو کسی مقصد کے لیے ارادہ کرے اور اس پر جم جائے۔ ظاہر ہے ایسا آدمی جس کا اپنے مقصد پر پورا عزم ہو اور اس کی نگاہیں اپنی منزل پر گڑی ہوں، تو وہ راستے کی مشکلات کو خاطر میں لائے بغیر آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ مگر اس کے برعکس جس کے عزم و ہمت میں کمی ہوگی اور اس کے ارادے پختہ نہیں ہوں گے تو عبداللہ بن ابی کی مانند میدان آزمایش سے بھاگ جائے گا۔ وہ منزل کو نہ پا سکے گا۔

صابر آدمی وہی ہے جو عزیمت کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرے، اور پورے حوصلہ کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہے۔ آپ کو زندگی کے نشیب و فراز میں اگر کسی چیز کو ہدف بنائے رکھنا ہے تو وہ یہ ہے کہ میں نے آخرت میں ہر طرح سے کامیابی حاصل کرنی ہے۔ اور پھر اس منزل کو پانے کے لیے ہر حالت میں ہمیں حوصلہ مندی سے راہ گزر طے کرنا ہے۔

صبر اور تقویٰ

یہاں ہم تقویٰ کے لفظ کو صرف خدا خوفی کے معنی کے لحاظ سے زیر بحث لائیں گے۔ اس لیے کہ خدا کی طرف سے نعمتوں کا احساس اور ان پر شکر گزاری نیکیوں کی بنیاد ہے اور خدا خوفی برائیوں سے روکنے کی بنیاد ہے۔ پہلی چیز ہمارے لیے تحریک کا باعث ہے اور دوسری چیز ہمارے لیے برائی کے راستے کی رکاوٹ ہے۔ 'ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم' میں اصل بات یہی موجب فضیلت ہے کہ یہ آدمی برائی سے بچنے والا ہے۔ اپنی فطرت کا محافظ ہے۔ خدا خوفی یا تقویٰ قرآن مجید میں صبر کے ساتھ زیر بحث آیا ہے۔ (آل عمران ۳:۱۲۰)۔ اس لحاظ سے یہ صبر کا مصاحب ہے۔

خدا خوفی بے صبری میں ہونے والے اقدامات کی بھی بیخ کنی کرتی ہے۔ اور اگر ہم سے صادر ہو جائیں تو ہمیں توبہ و معذرت پر ابھارتی ہے، جو کہ حق پر ثابت قدمی ہے۔ اس لیے تقویٰ یا خشیت دراصل صبر کا ایسا ساتھی ہے، جو صبر کو پیدا کرتا اور

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسے تقویت دیتا ہے۔

تقویٰ ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں میں صبر کا ایک گہرا دوست ہے۔اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے اس لیے آگے ہم تقویٰ کے اہم اجزا کے ساتھ صبر کی مفاہمت کا ذکر تفصیل سے کریں گے۔

توکل اور صبر

توکل کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے آپ اور اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کریں اور اس کے سہارے پر مطمئن رہیں۔ توکل اور صبر دونوں ایک دوسرے کے معاون ورفیق ہیں۔بعض موقعوں پر اگر توکل کا وصف آپ میں موجود نہ ہو تو آپ صبر پر قادر نہیں ہو سکتے۔اور اگر صبر کی عادت پختہ نہ ہو تو توکل کی طرف پیش قدمی بھی ممکن نہیں ہوتی۔

یعنی جب آپ اللہ تعالیٰ کو اپنے امور کا محافظ، نگران اور کارساز سمجھتے ہوں، تو یہ تصور آپ کے اندر ایک احساس تحفظ پیدا کرتا اور مصائب وشدائد میں ہمیں ایک نئی قوت عطا کرتا ہے۔اسی طرح صبر کی عادت آپ کو اس بات سے روکتی ہے کہ آپ جلدی میں خدا سے مایوس ہو جائیں، خدا کے ساتھ اپنے سچے تعلق پر قائم نہ رہیں تا آنکہ اللہ اس صورت حال سے نکال نہ دے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

توکل صبر کا سب سے بڑا ساتھی ہے۔اگر آپ خدا پر توکل رکھتے ہیں تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ صبر آپ کو حاصل نہ ہو۔لیکن بہتیرے لوگ ایسے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم صاحب توکل ہیں، مگر حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے نہایت ہی چھوٹے سے معاملے میں توکل پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور ایک بڑے حصے میں وہ توکل سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ایک حصے میں صابر وشاکر نظر آئیں گے، مگر دوسرے حصے میں وہ نہایت بے صبرے دکھائی دیں گے۔

توکل اور صبر دکان پر بیٹھے ہوئے آدمی کے لیے مثلاً یہ ہے کہ وہ خدا کے بھروسے پر دکان میں آئے، اور اپنی اس کوشش اور محنت کے بعد گاہک کا انتظار کرے، اگر گاہک آجائے تو شکر گزار ہو۔اور اگر گاہک آتا دکھائی نہ دے تو اپنے آپ کو یہ خیال کرے کہ وہ رب کی دی ہوئی روٹی پر ہی جیتا ہے، جس نے اسے کل تک جیتا رکھا ہے تو وہ آج بھی دے گا۔اور اگر آج اس نے نہیں دی، تو شاید روٹی نہ ملنے ہی میں میری زندگی ہے۔اس لیے کہ زندگی صرف دو ٹکڑے روٹی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اس روحانی لگاؤ کا نام بھی ہے جو مالک کی طرف سے روٹی نہ ملنے کے باوجود اسی کے دروازے پر بیٹھے رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ شاید اسی بات کو سمجھاتے ہوئے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ آدمی صرف روٹی سے ہی نہیں جیتا، بلکہ کلمہ سے بھی جیتا ہے۔یہی صبر ہے جو توکل آپ کے اندر پیدا کرتا ہے۔

یہ توکل اور صبر ان لوگوں کے لیے ایک مشکل بن جاتا ہے، جو میدان دعوت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ان کے اوپر جب نقد اور طعن وتشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں تو وہ اپنے معاملے کو خدا کے حوالے کرنے کے بجائے جواب دینے کے

لیے خود میدان میں اتر آتے ہیں۔ایسے لوگ دعوتی زندگی میں اخلاق کی جنگ ہار جاتے ، اور بالآخر دین کے نقصان کا ذریعہ بنتے ہیں۔اس میدان میں لازماً خدا کے فیصلوں ہی کا انتظار کرنا چاہیے،خواہ یہ انتظار ہماری زندگی کے خاتمے پر ہی ختم ہو۔

گھریلو زندگی میں بھی توکل ہی کے سہارے سے صبر اور قناعت پیدا ہوتی ہے۔ بیویاں بالعموم اس توکل سے محروم ہوتی ہیں کہ رزق و پوشاک اللہ ہی دینے والا ہے، ہاں البتہ ان کے شوہر اگر ناکارہ بیٹھے رہتے ہوں تو ان کو سمجھانا اور نہ ماننے پر خاندان کے بزرگوں اور بالآخر عدالت کو بیچ میں ڈال کر انھیں کام پر مجبور کرنا یہ صبر اور توکل کے خلاف نہیں ہے۔لیکن اگر شوہر پوری محنت کرتا ہے۔نچلا نہیں بیٹھتا اور اپنی کمائی شراب اور جوئے میں نہیں لٹاتا،مگر اس سب کچھ کے باوجود رزق میں تنگی ہے تو پھر خدا کے فیصلے پر راضی رہنے کی کوشش ہمارے لیے صبر کا ذریعہ بنے گی۔

اس کی ایک عام مثال اولاد سے محرومی کی بھی ہے۔اولاد اگر نہیں ہوتی تو سسرال اور شوہر ایک ظالم گروہ کی طرح اپنی بہو بیٹی پر یلغار کر دیتے ہیں، پہلے باتوں کی صورت میں اور پھر طلاق یا مارنے پیٹنے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔خدا پر توکل رکھنے والے ایسے رویے اختیار نہیں کرتے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

صبر اور انتظار

صبر کا ایک بڑا پہلو انتظار بھی ہے۔اس معنی میں یہ سورۂ حجرات میں آیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ. وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ. (۴۹: ۴-۵)	’’بے شک جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر سمجھ رکھنے والے نہیں ہیں۔اگر یہ لوگ صبر (یعنی انتظار) کرتے حتیٰ کہ تم خود ہی ان کی طرف نکل آتے۔تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا۔‘‘

صبر یہ چاہتا ہے کہ آپ اپنے اندر انتظار کا وصف بھی پیدا کریں، انتظار جلد بازی کا بھی متضاد ہے اور بے صبری کا بھی۔ان آیات میں جس بے صبری کا ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنا چاہتے تھے۔اور آکر اگر دیکھتے کہ آپ ملاقات کی جگہ پر نہیں ہیں تو وہ آپ کے حجروں کے سامنے کھڑے ہو کر مسلسل آوازیں دیتے رہتے۔اس کے پیچھے غالباً ان کا محرک یہ ہوتا تھا کہ ہمیں اہمیت دی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد ان کے ملنے کے لیے باہر آجائیں۔

اس کے پیچھے کی نفسیات ظاہر ہے،ایک بدویانہ تربیت کا نتیجہ ہے۔جس میں چھوٹے بڑے کے آداب، ملنے جلنے اور معاشرے کی کسی بڑی شخصیت کے ساتھ معاملہ کرنے کی عدم تربیت ایک اہم جز ہے۔

بعض اوقات صبر کے معنی محض انتظار کے ہوتے ہیں۔اگر آپ ان مواقع پر صرف انتظار کر لیں تو یہ گویا آپ نے صبر کیا۔

مثلاً آپ نے کسی کے دروازے پر دستک دی تو پھر آپ کو انتظار کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بے صبری سے دستک پر دستک دیتے جائیں اور گھر والا نماز پڑھ رہا ہو، یا اتنا بیمار ہو کہ اٹھ کر آ ہی نہ سکتا ہو اور آپ اس کے لیے تکلیف کا باعث بن رہے ہوں۔ آپ کی بے دھڑک مسلسل دستک کسی کے لیے اذیت کا باعث بن سکتی ہے، اور اگر وہ آپ پر اپنی اذیت کا اظہار نہ بھی کرے تو آپ تو بہر حال اذیت دینے کا باعث بن گئے ہیں۔

سڑکوں پر چلتے ہوئے، آپ یہ اکثر دیکھیں گے کہ ہمارے بھائی اشارہ بند ہونے کے باوجود پیچھے سے ہارن بجاتے رہتے ہیں۔ یہ نہ صرف عدم شایستگی کی علامت ہے، بلکہ ان کی بے صبری کا بھی اظہار ہے۔ اگر وہ انتظار کریں تو اگلے آدمی کو آپ اذیت نہیں دیں گے۔ وگرنہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ ہارن بجا بجا کر ماحول میں شور پیدا کرتے اور اپنے سے اگلے گاڑی والوں کے لیے بالخصوص اذیت کا باعث بنتے ہیں۔ اسی بے صبری کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب آپ اشارہ توڑتے ہوئے چوک پار کر جاتے ہیں۔ آپ کی یہ بے صبری آپ کے جسم و جان کے نقصان کا باعث بھی ہو سکتی ہے اور دوسروں کے بھی۔ پہلی صورت میں آپ نے نقصان اٹھایا اور دوسری صورت میں آپ نقصان دینے والے بن گئے۔ دونوں چیزیں ظاہر ہے کہ اچھی نہیں ہیں۔

گھروں میں ساس اور بہو، اور میاں اور بیوی کے جھگڑوں میں ایک بڑا سبب یہی بے صبری ہے۔ سب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ادھر ہم حکم کریں اور ادھر کھانا یا کپڑے تیار ہو کر ان کے ہاتھ میں تھما دیے جائیں۔ یا ادھر ہم نصیحت کریں اور اگلے ہی لمحے اصلاح ہو جائے۔ انسانی زندگی میں ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ چیزیں بھی فوراً تیار نہیں ہوتیں اور اصلاح تو بالخصوص فوراً نہیں ہو جاتی۔ کچھ چیزیں لوگوں کی عادت بن جاتی ہیں، اور کچھ چیزیں عادت نہ سہی مگر کسی کو کسی نہ کسی پہلو سے اچھی لگ سکتی ہیں۔ مگر چونکہ وہ آپ کو اچھی نہیں لگ رہی ہیں اس لیے آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ فوراً چھوڑ دے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے ہی دن ایمان لے آتے ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ ایک سال بعد لیکن دونوں کا درجہ ہم سب جانتے ہیں کہ بس انیس بیس ہی کا فرق رہا ہوگا۔ ہم یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ سیدنا عمر کفر پر ضد کر رہے تھے۔ نہیں ایسا نہیں تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو ایک سال تک اپنی قبائلی اور دینی روایات کے مطابق ایک اچھا عمل سمجھتے تھے۔ جب آپ پر یہ بات واضح ہوگئی کہ حق تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے تو فوراً تبدیل ہو گئے۔ انھوں نے اپنی اصلاح کر لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر بے صبری سے کام لیتے تو وہ دعا نہ کرتے کہ اے اللہ مجھے ایک عمر دے دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ نے پوری زندگی بھی بعض لوگوں کی اصلاح کا انتظار کیا ہے۔ جس کے اثرات ہم فتح مکہ کے موقع پر دیکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ انتظار نہ کیا جاتا اور مثلاً ہجرت مدینہ کے موقع پر ہی سب کو ناقابل اصلاح قرار دے دیا جاتا، تو یہ بے صبری ہوتی۔ اسی لیے قرآن مجید آپ کو

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بار بار یہی نصیحت کرتا رہا کہ 'فاصبر لحکم ربک' (اپنے رب کے فیصلے کا انتظار کرو)۔

استعانت وصبر

قرآن مجید میں 'استعینوا بالصبر والصلوٰۃ' (البقرہ) میں صبر کو استعانت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صبر بعض مشکلات میں ہمارا مددگار بنتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اللہ کی مدد اور توفیق حاصل کرنے کا ذریعہ صبر بنتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صبر ہماری مدد کیسے کرسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ آپ یہ جان لیں کہ اللہ کی اس مدد سے کیا مطلب ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں مدد سے مراد ایمان لانے یا اس پر قائم رہنے پر مدد ہے۔ دنیا کی مشکلات رفع کرنے میں بھی اللہ کی مدد صابر آدمی کے شامل حال ہوتی ہے، مگر ہر دفعہ ایسا ہونا لازم نہیں ہے۔ یعنی ہماری مراد یہ ہے کہ یہ لازم نہیں کہ صبر کرنے والے آدمی کو ہر ہر دفعہ ایسا ہو کہ ادھر وہ صبر کرے اور ادھر اس کی مشکل رفع ہو جائے۔ یہ دنیا چونکہ آزمایش کے لیے بنائی گئی ہے اس لیے ہر دفعہ اگر نیکی کا صلہ اچھا مل جائے یا اس پر نقصان نہ ہو تو آزمایش باقی نہیں رہے گی۔ اس لیے کہ نیکی کے ساتھ اگر خیر کے نتائج ہمیشہ نکلنے لگیں تو غیب کا وہ پردہ اٹھ جائے گا، جس کی وجہ سے انتخاب کے لیے آخرت تک انتظار کی ضرورت نہیں ہوگی۔

یہ دنیا چونکہ اس لیے بنائی گئی ہے کہ نیکی کرنے والے کو دراصل اجر آخرت میں ملنا ہے۔ اسے اس دنیا میں نیکی پر ہمیشہ کوئی بھلائی نہیں ملتی، بلکہ اللہ تعالیٰ آزمانے کے لیے کبھی کبھی مزید سختی کر دیتے ہیں تاکہ نیکی پر غیب کا پردہ پڑا رہے اور آزمایش کا یہ سلسلہ چلتا رہے۔

لیکن ایک مدد آپ کو ہر دفعہ شرطیہ طور پر ملے گی کہ آپ اگر صبر کریں گے، اور حق پر قائم رہنے کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کا ایمان بچانے کے لیے لازماً آئے گی۔ اس کی بہترین مثال سیدنا یوسف کی زندگی میں ہے کہ جب زلیخا نے اپنے پورے اصرار کے ساتھ اور بادشاہ کی بیوی ہونے کے زور پر انھیں کمرے میں بند کرلیا تو اس کے باوجود اللہ کی مدد نے آکر انھیں بچالیا، اور ان کے اندر کے ایمان وتقویٰ میں وہ قوت پیدا ہوئی کہ وہ بھاگ نکلے۔ ٹھیک اسی طرح آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔ مگر شرط یہی ہے کہ آپ ایمان وتقویٰ پر قائم رہیں اور اس بات کے لیے بھی ذہنی طور پر تیار رہیں کہ اس کے بعد سیدنا یوسف کی مانند کچھ مشکلات سہنا پڑیں گی، جیسے انھیں جیل جانا پڑا۔

اوپر ہم نے عرض کیا کہ صبر اللہ کی مدد آنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن میں آیا ہے کہ مدد اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، مگر صبر ہمیں کرنا ہے جیسا کہ اس آیت سے اشارہ ملتا ہے: 'استعینوا باللّٰہ واصبروا' (۷: ۱۲۸) ''اللہ سے مدد مانگو، اور صبر کرو۔'' یعنی اللہ کی مدد اور توفیق کے شامل حال ہونے کا ذریعہ صبر بنتا ہے۔ صبر اصل میں ہماری طرف سے ایک شرط ہے جو اگر ہم پوری

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کر دیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ اگر آپ یہ فیصلہ کریں کہ آج کے بعد سے آپ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ اور اگر آپ ایسے مواقع پر جہاں ہمیں نقصان کا اندیشہ ہو، وہاں بھی جھوٹ نہ بولیں تو اللہ تعالیٰ کی یہ توفیق ہمیں ہمیشہ حاصل رہے گی کہ آپ پر اگر وہ کوئی مشکل بھیجے گا تو ایسی نہیں ہوگی کہ آپ ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

ہمیں اپنی زندگی میں ہر موڑ پر صبر سے مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً گھریلو مسائل میں صبر ایک نہایت ہی مددگار ہتھیار ہے۔ جو ہمیں کئی جھگڑوں سے بچنے میں مدد دیتا ہے۔ گھریلو جھگڑوں میں صبر سے مدد لینے کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی آپ کے گھر میں وقوع پزیر ہوا ہے، اس پر جذبات میں آکر کوئی اقدام کرنے سے پہلے معاملات کی تحقیق کریں۔ مثلاً ساس بہو کے جھگڑے میں اگر بہو کا شوہر والدہ کی بات سنے اور سنتے ہی بیوی کے خلاف کوئی انتہائی اقدام کرے تو یہ بے صبری ہوگی۔ یا بیوی کی بات سنتے ہی والدہ کے خلاف کوئی بری حرکت کر ڈالے تو یہ بھی ناانصافی ہوگی۔

آپ پر ایسے مواقع پر لازم ہے کہ آپ جھگڑے کے دونوں فریقوں کا موقف جانیں۔ جھگڑے کی اصل وجہ معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اگر اس کا تدارک ہو سکتا ہے تو وہ کریں اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے عدل و انصاف پر قائم رہیں۔ اس لیے کہ اگر آپ نے عدل نہ کیا تو یہ چیز موقف حق سے ہٹنا ہے۔ اور یہ ثابت قدمی اور صبر کی خلاف ورزی ہے۔ آپ کا فریقین میں سے کسی کے خلاف فوری کوئی قدم نہ اٹھانا ہی یہاں صبر ہے۔

دفتر اور کاروبار میں بھی اسی طریقے کو اپنانا چاہیے۔ اس رویے سے آپ کے ساتھی آپ سے متنفر و بے زار نہیں ہوں گے اور آپ کو ایک سمجھ دار آدمی سمجھتے ہوئے آپ کے ساتھ ہمیشہ اچھا تعلق رکھیں گے۔ اگر آپ سربراہ ہیں، تو آپ اپنے تجربہ کار ساتھیوں سے محض جلد بازی کے فیصلوں سے محروم نہیں ہوں گے اور ان کی خیر خواہی آپ کو حاصل رہے گی وغیرہ۔ اگر آپ ملازم ہیں، تو آپ اپنے ساتھیوں کے لیے ایک ایسے متوازن رویے کے ساتھ سامنے آئیں گے جو آپ کے لیے دفتری زندگی میں ہمیشہ مدد و معاون ہوگا۔

دینی زندگی میں اگر صبر نہیں ہے تو آپ قدم قدم پر توبہ شکنی کر رہے ہوں گے۔ یہاں ہر ہر قدم پر صبر کی ضرورت ہے۔ دین چونکہ اخلاق کا نام بھی ہے اور عبادت کا بھی، اس لیے دونوں پر قائم رہنے کے لیے صبر کی ضرورت ہے۔ یہاں صبر کے معنی انھی دونوں چیزوں پر دوام کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ 'أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ' ''اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل وہ ہے جو خواہ مختصر ہو مگر ہمیشہ ہوتا رہے۔'' (بخاری، رقم ۶۵۴۱)

یہود سے جب اللہ تعالیٰ نے یہ بات فرمائی کہ 'استعینوا بالصبر و الصلاۃ'، نماز اور صبر سے مدد لو، تو یہ اس پس منظر میں کہی گئی تھی کہ یہود باوجود اس کے کہ وہ تورات پڑھ رہے تھے۔ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشین گوئیاں پڑھتے تھے۔ اور اسی لیے مدینہ کے پاس یثرب میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ مگر جب وہ نبی آیا تو انھوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہی ہوا جو یہود کی بابت سیدنا مسیح نے فرمایا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دلہنوں کی طرح تیار ہو کر بیٹھو اور انتظار کرتے رہو، مگر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جب وہ دلہا آئے تو تم سو چکو۔ یعنی ان سے مطالبہ بس یہی تھا کہ حق پر ثابت قدمی دکھاؤ، یہ حق خواہ تمھارے بھائیوں اور دشمنوں ہی کے پاس کیوں نہ ہو۔ اگر تم حق پر قائم رہنے کی کوشش کرو گے تو یقیناً یہ عمل تمھیں ایمان کی طرف لے جائے گا۔

یہود سے کفر کا صدور اس لیے ہوا کہ ان کے نزدیک حق پر قائم رہنا اصل مسئلہ نہیں رہا تھا۔ وہ تو بس اپنے آپ ہی کو حق پر سمجھتے تھے۔ خواہ وہ بڑی سے بڑی گمراہی کا شکار ہوں۔ چنانچہ جب رسول امی مبعوث ہوئے تو حق پر قیام کے بجائے انھوں نے اپنے تحریف شدہ دین اور اپنی بدعات اور بدعقیدگی پر قائم رہنے ہی کو ترجیح دی۔ چنانچہ قرآن نے ان سے کہا کہ تم حق پر رہنے کا جذبہ پیدا کرو۔ یہی صبر ہے جس سے تمھیں اس نبی امی کو ماننے کی توفیق و مدد ملے گی۔

قومی تعمیر یا سیاسی کاموں میں بھی صبر ایک نہایت ہی اعلیٰ قسم کا مددگار رہے۔ یہ آپ کو جلد بازی میں ڈالے بغیر نتائج کے انتظار کی توفیق بخشتا ہے۔ آپ طویل المعیاد کی منصوبہ بندی (Long term planning) کر سکتے ہیں۔ جس کے نتائج زیادہ گہرے اور زیادہ دیرپا ہوتے ہیں۔ انبیا چونکہ اسی طرح کی منصوبہ بندی کے تحت کام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی ذات سے امتیں وجود پزیر ہوتی ہیں۔ لیکن جو لوگ کام تو بعض اوقات بڑے بڑے کر جاتے ہیں، مگر اس بے صبری کی وجہ سے ایسے نقائص اپنے کاموں میں چھوڑ جاتے ہیں کہ وہ کام دیرپا نہیں رہتے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

باہمی اتحاد اور صبر

صبر کا ایک اور ساتھی قرآن مجید نے اتحاد کو بنایا ہے۔ قرآن مجید نے میدان جنگ میں صبر کے حکم سے پہلے باہمی تنازعات سے روکا ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر تم نے باہمی تنازعات نہ چھوڑے تو تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (الانفال ۸:۴۶) قرآن مجید کے اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں ثابت قدمی (صبر) اگر فوج میں اتحاد نہ ہو تو پیدا نہیں ہو سکتی۔ ان کے قدم اکھڑ جائیں گے اور نتائج دشمن کے حق میں نکلیں گے۔

میدان جنگ کے دشمنوں سے نبرد آزمائی بھی ثابت قدمی اور صبر کا تقاضا کرتی ہے۔ نفس پر حملہ آور شیاطین سے جنگ میں بھی ثابت قدمی کی ضرورت ہے۔ میدان جنگ میں جس طرح اتحاد پیدا کرنے کے لیے باہمی تنازعات سے چھٹکارا پانے کو کہا گیا ہے ویسے ہی شیطان کے مقابل میں آنے کے لیے بھی باہمی منافرتوں کو چھوڑ کر آپس میں ایک خیر خواہانہ تعلق بنانا پڑے گا۔ جس کا حکم قرآن مجید نے سورۂ عصر میں یوں دیا ہے:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. (۱۰۳:۱۔۳)

”(رسولوں کا) زمانہ گواہی دیتا ہے کہ یہ انسان خسارے میں ہے، ہاں وہ نہیں جو ایمان لائے، انھوں نے نیک اعمال کیے، حق بات کی نصیحت کی اور حق پر ثابت قدمی کی نصیحت کی۔“

اس سورہ سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ دنیا میں برائی سے بچ کر رہنے کے لیے اور اپنے نفس کا مقابلہ کرنے کے لیے یہ

ضروری ہے کہ ہم آپس میں 'تواصی بالحق' اور 'تواصی بالصبر' کی بنیاد پر اپنے تنازعات کو بھلا کر نصیحت اور اصلاح کرنے اور اصلاح ہونے کے بعد اس صحیح حالت پر قائم رہنے کے لیے صبر (ثابت قدمی) کی تلقین بھی کریں۔

صبر یا ثابت قدمی اس سورہ کے دروبست سے معلوم ہو رہا ہے کہ باہمی تعاون ہی سے پیدا ہوگی۔

صبر اور مرحمت

صبر کا ایک اور ساتھی مرحمت یا ہمدردی ہے، جسے قرآن مجید نے صبر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ صبر کے معاملے میں ہمدردی کا کردار ویسا ہی ہے جیسا ہم نے اوپر تواصی کے حوالے سے دیکھا ہے۔ ہمدردی ہمیں ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔ اور ہمارے لیے ایک دوسرے کے ساتھ نظری و عملی اختلافات کو کم کرتی ہے۔ ہمارے اندر اگر دوسروں کے لیے ہمدردی پیدا ہو جائے تو لوگوں کو دیکھنے کا زاویۂ نظر تبدیل ہو جاتا ہے اور ہم ایک دوسرے کے بارے میں اچھے احساسات رکھنے لگتے ہیں، جس کی بنا پر ہماری باتیں اور ہمارا تعلق ایسا بنتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ نفرت اور دشمنی رکھنے کے بجائے ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ بنتے ہیں۔ یہ باہم ہمدردی ہمارے اندر ایسے جذبے پیدا کرتی ہے کہ جو ایک دوسرے کے لیے خیر خواہی اور محبت کو نمو دیتے ہیں۔ یہ چیز ہمارے ماحول میں ایسی اپنائیت پیدا کر دیتی ہے کہ ہمارے لیے سب لوگ خیر خواہ بن جاتے اور ہمیں غلطی کرتے دیکھ کر روکتے، ہمارے ہاتھ آگے بڑھ کر تھام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہم اپنے موقف حق سے ہٹنے سے بچ جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے صبر کے ساتھ مرحمت کا ذکر سورۂ بلد میں یوں کیا ہے:

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ. (۹۰:۱۷)	''پھر ان میں جو ایمان لائے، اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور ہمدردی کی نصیحت کی۔''

جس طرح مرحمت اور ہمدردی صبر کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح صبر کی صلاحیت کے بغیر ہمدردی اور خیر خواہی وجود میں نہیں آسکتی۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ سورۂ عصر کی تفسیر میں اس آیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دیکھو تمام بھلائیوں اور نیکیوں میں سے قرآن نے اس نیکی کو کس طرح چھانٹ لیا ہے جو درحقیقت سب نیکیوں کی اصل اور سب کا خلاصہ ہے۔ صرف مرحمت ہی کا رشتۂ محبت ہے، جو پراگندہ اور بکھرے ہوئے دلوں کو ایک نقطہ پر مجتمع کرتا ہے اور سب کو جود و کرم اور فیاضی و ہمدردی کے جوش سے معمور کر کے زندہ وحساس بنا دیتا ہے... اس کے بعد صبر کی تعلیم فرمائی کیونکہ جب تک آدمی لوگوں کی پہنچائی ہوئی اذیتیں جھیلنے اور ان کی غلطیوں سے چشم پوشی اور درگزر کرنے کا عادی نہ ہو جائے اس وقت تک صحیح مرحمت وجود میں نہیں آسکتی۔'' (مجموعۂ تفاسیر فراہی ۳۴۵)

صبر اور حق

صبر اور حق بھی سورۂ عصر میں ایک دوسرے کا قرین بن کر آئے ہیں۔ مولانا فراہی رحمہ اللہ سورۂ عصر کی تفسیر میں ان دونوں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نجات کا دارو مدار عقلی اور اخلاقی قوتوں کی اصلاح پر ہے۔ عقل اور دل دونوں کے سختی اور نرمی کے اعتبار سے دو پہلو ہیں۔ عقل کی نرمی کا پہلو یہ ہے کہ وہ حق کے سامنے فوراً جھک جانے کے لیے مستعد رہے، وہ جہاں بھی اور جس وقت بھی ظاہر ہو، اور قلب کی نرمی یہ ہے کہ وہ خالق کی محبت اور مخلوق کی ہمدردی میں ہمیشہ سرشار رہے۔ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ حق پر ایمان لاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ، اس کی صفات اور اس کی آیات پر ایمان۔ قلب بندگی کرتا ہے اور پھر بے تابانہ اپنے مولائے حقیقی کی طرف لپکتا ہے۔ اسی طرح دوسری طرف خلق کی ہمدردی کا جو فرض اس پر عائد ہوتا ہے، اس کے جوش و احساس سے معمور ہو جاتا ہے۔

عقل کی سختی کا پہلو یہ ہے کہ وہ اس حق پر، جو آنکھوں سے اوجھل ہے، ثابت قدم رہے۔ اس باطل کو جو نگاہوں کے سامنے موجود ہے چھوڑے۔ اس سختی کے پہلو سے دل کا فرض یہ ہے کہ وہ مصائب و شدائد کے مقابل میں ڈٹا رہے۔ اور اپنے قدم جادۂ مستقیم سے نہ ڈگنے دے، اور قابو پا جانے کے بعد عفو و درگزر سے کام لے۔

یہ حق اور صبر کا تعلق عقل و دل سے ہوا۔'' (مجموعۂ تفاسیر فراہی ۳۵۵)

دوسرے یہ کہ حق کی بقا کا انحصار صبر پر ہے صبر کے بغیر حق پر قیام ناممکن ہے۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''دین کا بڑا حصہ اسی صبر پر قائم ہے۔ اگر آدمی کے اندر یہ وصف نہ ہو تو کوئی طمع، کوئی ترغیب، کوئی آزمایش بھی اس کو حق سے ہٹا کر باطل کے آگے سرنگوں کر دے سکتی ہے۔ جو شخص سچائی کے راستے پر چلنا چاہے، اور اس پر چل کر اس پر استوار رہنے کا خواہش مند ہو اسے سب سے پہلے اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کرنی چاہیے۔ مزاحمتوں کے مقابلے کے لیے جبکہ اس رہ میں ہر قدم پر مزاحمتوں سے مقابلہ ہے اصلی ہتھیار بندے کے پاس یہی ہے۔ فلسفۂ دین کے نقطۂ نظر سے دین نصف شکر اور نصف صبر ہے لیکن عملی تجربہ گواہ ہے کہ آدمی میں صبر نہ ہو تو شکر کا حق بھی ادا نہیں ہوسکتا۔'' (تدبر قرآن ۲/ ۴۳)

صبر اور ثابت قدمی

اگرچہ صبر کے معنی ثابت قدمی کے ہیں، مگر جس طرح ہم مترادفات کو ایک دوسرے کے ساتھ عمل و نتیجہ اور لفظ کے اندر کسی معنوی کمی کو پورا کرنے کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ ٹھیک ایسے ہی سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیت میں صبر کے ایک نتیجہ کے طور پر ثابت قدمی کا ذکر ہوا ہے۔ یہ آیت جالوت کے ساتھ بنی اسرائیل کی جنگ کے حوالے سے ہے، جس میں صالحین یہود نے یہ دعا کی کہ:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا، وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (۲: ۲۵۰)	''اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈیل دے، اور ہمارے قدم مضبوط رکھ، اور ہمیں کافر لوگوں پر غلبہ عطا کر۔''

اس آیت میں صبر اور ثابت قدمی سبب اور مسبب کے طور پر عطف ہوئے ہیں۔ یعنی صبر ہی وہ چیز ہے جس کے حاصل

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہونے سے ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے۔

صبر اور دانائی (حکمت)

قرآن مجید نے مشرکین مکہ کے ظلم وستم کے مقابل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو ان کی اس برائی کے بدلے میں نیکی کرنے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ جو اپنے دشمنوں کے خلاف یہ رویہ اختیار کرے گا اس کا دشمن بھی ایک پرجوش دوست بن جائے گا۔ پھر اس رویے کو قرآن مجید نے دانائی قرار دے کر کہا کہ یہ دانائی صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملتی ہے۔ (حم السجدہ ۴۱: ۳۵)

قرآن مجید کا یہ بیان یہ بتا رہا ہے کہ صبر ایک اعلیٰ درجے کی سمجھ داری سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک اعلیٰ سمجھ داری یہ ہے کہ ہم برائی کے بدلے میں نیکی کرتے چلے جائیں۔ یا ایسا مؤقف اختیار کریں کہ جس سے ہمارے ستم گر میں یہ احساس پیدا ہو کہ میرا مظلوم ایک اور ہی دنیا کا آدمی ہے۔ ایسی ہی بصیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات میں جا بجا ملتی ہے۔ محض آپ کے اسی سلوک کی بنا پر نہ جانے کتنے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے۔

بصیرت صابر

مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بصیرت کی ایک جھلک اس آدمی کے مقابل میں ہمارے سامنے آتی ہے، جس نے آپ سے قرض واپس لینا تھا چنانچہ وہ بے وقت مطالبہ کرنے لگا، اور کچھ سختی ظاہر کی۔ صحابہ کو اس پر غصہ آیا، لیکن آپ نے فرمایا اسے معاف کرو اس لیے کہ 'ان لصاحب الحق مقالا'، جس کا ہمارے ذمہ کچھ حق ہوتا ہے اسے کچھ کہنے کا بھی حق حاصل ہے۔ پھر آپ نے اس کے قرض سے بہتر قرض ادا کر دیا۔ (بخاری، رقم ۲۱۸۳) اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ صابر آدمی کس بصیرت کے ساتھ معاف کرتا ہے۔ وہ منتقم نہیں ہوتا، جس سے وہ لوگوں کے دل جیت لیتا ہے۔ چنانچہ یہ آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اللہ اور صبر

قرآن مجید کا فرمان ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (۱۶: ۱۲۷)

''اور صبر کرو، اور تمھیں اللہ کے بغیر صبر حاصل نہیں ہو سکتا۔''

اس آیت میں صبر کے حصول کا جو طریقہ بتایا گیا ہے اس کی وضاحت میں یہاں ہم چند پہلوؤں کا ذکر کرنا چاہیں گے۔ اوپر والی آیت کو سامنے رکھیے اور قرآن کے اس فرمان کو بھی سامنے رکھیے کہ 'ان اللّٰہ مع الصابرین' کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ان دونوں آیتوں کو تقابل میں رکھیں تو صبر اللہ سے ملتا ہے اور صبر کرنے والے کے ساتھ اللہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ صبر اللہ کے تعلق کی مضبوطی سے ملتا ہے اور صبر سے اللہ ملتا ہے۔ اس طرح سے ان دونوں میں ایک

دوری (Circular) تعلق وجود میں آجاتا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ایمان باللہ اور صبر لازم وملزوم ہیں۔

اللہ اور صبر میں ایک اور تعلق بادنیٰ تامل سامنے آتا ہے اور وہ اللہ سے تسلیم ورضا کا تعلق ہے۔ یعنی اللہ کے حوالے سے صبر کے معنی یہ ہوئے کہ آپ ہر حالت میں اللہ کے رب ہونے پر راضی رہیں۔ مشکل اور آسانی، تنگی اور خوشحالی، صحت اور بیماری ہر طرح کے حالات میں اس بات پر راضی رہیں کہ اللہ میرا رب ہے۔ یہی وہ ایمان کی منزل ہے، جسے حاصل کرنے میں صبر ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اگر اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ اس کے تعلق کو نبھانے کے لیے صبر کا ساتھ نہ ہو تو آدمی ہر قدم پر ڈگمگاتا اور خدا سے شکوہ و نالہ کرنے لگتا ہے۔ اور پھر وہ درجہ بھی جلد ہی آجاتا ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کر دوسرے دروازوں کے دھکے کھا رہا ہوتا یا الحاد کے نہ ختم ہونے والے بے منزل راستے پر جا نکلتا ہے۔

خدا کے ساتھ اسی وفا شعاری والے تعلق کا نام تقویٰ ہے۔ خدا کے ساتھ جڑے رہنا، اور ہر حالت میں اسے رب تسلیم کیے رکھنا یہ استقامت ہے۔ اس استقامت کا مطالبہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہم سے کیا ہے: 'إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقـاموا' یعنی جنھوں نے حق قبول کیا اور پھر اس پر قائم رہے۔ یہ صبر کے دینیات میں اصل معنی ہیں۔ یعنی یہ کہ آپ اس بات پر ہمیشہ قائم رہیں کہ اللہ میرا رب ہے۔

اللہ کے ساتھ صبر کا تعلق نماز کی طرف بھی ایک اشارہ کرتا ہے۔ قرآن مجید کا فرمان ہے 'و ما صبرك الا بالله'، تمھیں اللہ کے بغیر صبر حاصل نہیں ہو سکتا اور اسی طرح قرآن مجید کا فرمان ہے 'استعينوا بالصبر و الصلاة'، نماز اور صبر سے مدد لو۔ اس میں اللہ اور صبر اور اللہ اور نماز کا ایک باہمی تعلق بنتا ہے۔ اللہ اور صبر کا باہمی تعلق ہم نے اوپر جانا۔ یہاں ہم صرف نماز کے حوالے سے بات کریں گے۔ نماز اصل میں خدا کے ساتھ زندہ اور قریبی تعلق کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے 'و اسجد و اقترب' سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ اوپر ہم نماز اور صبر کی سرخی کے تحت یہ پڑھ آئے ہیں کہ نماز دراصل اللہ کی یاد دہانی کا ذریعہ ہے۔ یہ یاد دہانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کے تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔ خدا کے ساتھ تعلق کی مضبوطی دراصل انسان میں حوصلہ و ہمت کو پیدا کرتی ہے، جس کی بنا پر آدمی بڑی سے بڑی مشکل اٹھانے کی ہمت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بے صبری اور خدا کی ناراضی

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے، اگر آدمی ان میں صبر نہ کرے تو خدا ناراض ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے ایک گناہ کی طرح سمجھتے ہیں۔ اس لیے بے صبری درحقیقت ایک گناہ بھی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آدمی شکر نہ کرے اور ناشکری کرنے لگے۔ بظاہر شکر گزاری کوئی فرض و نفل کی طرح کی چیز نہیں ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام میں شکر گزاری اصل مطلوب ہے سارا دین اور ساری شریعت اصلاً اسی شکر گزاری ہی کے لیے آئے

ہیں۔ جو آدمی اس شکر گزاری کا انکار کرتا ہے، وہ در حقیقت سارے دین کی ضرورت کا منکر ہے۔ ٹھیک ایسے ہی ہم یہ بات اوپر پڑھ چکے ہیں کہ شکر کا دوسرا رخ صبر ہے۔ چنانچہ جس طرح شکر مطلوب اصلی ہے ایسے ہی صبر مطلوب اصلی ہے۔

یہود کی اصل بیماری: بے صبری

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی من و سلویٰ پر بے صبری کے بیان کے فوراً بعد یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان پر ذلت و پستی اور کم ہمتی تھوپ دی۔ یہ بات اگرچہ ان کے مسلسل جرائم ہی کی بنا پر تھی مگر ان میں اصل جرم خدا کے ساتھ اپنے عہد نبھانے میں کوتاہی تھی جسے ـــــ آپ جان چکے ہیں ـــــ کہ ہم عدم صبر ہی سے تعبیر کریں گے۔ اس لیے کہ صبر اپنے موقف اپنے عقیدے اور حق پر قائم رہنے کا نام ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ قصہ یوں نقل ہوا ہے:

> ''اور یاد کرو جب تم نے کہا: اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، تو اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو کہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکالے جنھیں زمین اگاتی ہے، سبزیاں، ککڑیاں، لہسن، مسور اور پیاز جیسی۔ کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) کیا تم اعلیٰ کو ادنیٰ سے بدلنا چاہتے ہو، (مصر جیسے) کسی شہر میں اترو گے تو وہ چیزیں تمھیں ملیں گی، جو تم طلب کرتے ہو، اور ان پر ذلت و پستی تھوپ دی گئی۔ اور وہ خدا کا غضب لے کر لوٹے...'' (البقرہ ۲:۶۱)

اللہ تعالیٰ کا یہ غضب یہود پر اسی بے صبری کے رویے کی بنا پر اترا۔ یہود کی اس تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ میں جب انھیں 'استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ' کہا گیا تو جس طرح یہ بات کم و بیش سب مفسرین نے لکھی ہے کہ یہود در حقیقت نماز ترک کر چکے تھے۔ مگر انھوں نے صبر کا نہیں لکھا، مگر حقیقت یہی ہے کہ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی پوری طرح ثابت ہے کہ ہر قدم پر اصل میں انھوں نے بے صبری بھی دکھائی ہے۔ چنانچہ انھیں جب یہ حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد لو تو یہ بات یوں ہے کہ ان کی ایک کمزوری کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم نے اپنی لمبی تاریخ میں نماز قائم رکھی ہوتی اسے ضائع نہ کیا ہوتا اور اسی طرح ہمیشہ ہر حالت میں حق کو ڈھونڈتے اور اس پر قائم رہنے کی کوشش کرتے تو یقیناً تم آج بھی برگزیدہ امت ہوتے۔

چنانچہ اس رسول پر ایمان لانے میں ذرا بھی مشکل محسوس نہ کرتے اور ان دو شرائط کے پورا کر دینے کے بعد اصل میں تم وہ شرائط پوری کر دیتے جنھیں قرآن ہدایت کے لیے ضروری کہتا ہے۔ قرآن جسے تقویٰ بھی کہتا ہے اور یہ تقویٰ بس اسی حق پر قیام اور بندگی کا نام ہے۔ حق پر قیام کے معنی یہ ہیں کہ جو حق ہمارے پاس ہے اس پر قائم رہیں اور جو ہمیں غلطی لگی ہے اسے درست کر لیں۔ حق پر قائم رہنے کا یہی ایک طریقہ ہے اور اسی کو قرآن مجید صبر کہتا ہے۔

ایفاے عہد اور صبر

قرآن مجید میں ایفاے عہد کو صبر کا مصاحب نہیں بنایا گیا، لیکن حدیث میں یہ اکٹھے بیان ہوئے ہیں اور سیدنا عثمان نے بھی ایک موقع پر یہ جملہ بولا کہ میں اپنے عہد پر صابر ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے ساتھ عہد کا عربی زبان میں

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

استعمال ہوتا ہے اور وہ اسی پہلو سے ہوتا ہے کہ آدمی اپنے وعدے پر قائم ہے۔ (ترمذی، رقم ۴۰۷۶)

ایفاے عہد بھی صبر ہی کی ایک شکل ہے۔ اس کے معنی بھی وہی ہیں، جو حق پر ثابت قدمی کے ہیں۔ صبر درحقیقت ثباتِ قدم ہی کا نام ہے۔ یہ ثبات قدم ہر اچھی چیز پر ہے۔ اسی کے تحت ایفاے عہد ہے۔ جب آدمی اپنے عہد پر قائم رہتا ہے تو درحقیقت وہ صابر ہے، اس لیے کہ بسا اوقات عہد کی پاس داری ایک مشکل بن کر سامنے آجاتی ہے۔

دین اسلام کا ایک بڑا حصہ دراصل عہد ہی ہے۔ اس جہاں میں دین کی بنیاد عہد الست پر اور اس عہد نبوت پر ہے جو سیدنا آدم سے اس وقت لیا گیا جب انھیں زمین پر بھیجا گیا۔ اسی طرح ایک وہ عہد امانت ہے جو تمام مخلوقات عالم کے سامنے پیش کیا گیا مگر بنی آدم کے سوا سب نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ بنی نوع آدم کل قیامت کے دن انھی عہد معاہدوں کے لحاظ سے مسئول ہوں گے۔ عہد الست قرآن مجید میں یوں بیان ہوا ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؟قَالُوْا: بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ : اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ. (الاعراف ۷: ۱۷۲)	''یاد رکھو، جب نکالا تمھارے رب نے بنی آدم سے ۔ ان کی پشتوں سے ــــ ان کی ذریت کو اور ان کو گواہ ٹھیرایا خود ان کے اوپر (پھر پوچھا) کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ بولے: ہاں تو ہمارا رب ہے، ہم اس کے گواہ ہیں۔ (ہم نے یہ اس لیے کیا) مبادا تم قیامت کو عذر کرو کہ ہم تو اس سے بے خبر ہی رہے۔''

عہد نبوت قرآن مجید میں یوں بیان ہوا ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا، فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ، اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ، هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (البقرہ ۲: ۳۸-۳۹)	''ہم نے کہا تم سب اتر جاؤ، اگر میری طرف سے کوئی ہدایت آئے، تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔ اور جو کفر کریں گے اور جھٹلائیں گے وہی دوزخ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

عہد امانت قرآن مجید میں یوں بیان ہوا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ. (۳۳: ۷۲)	''ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمینوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈرے اور انسان نے اسے اٹھالیا۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہ تین بڑے معاہدے ہیں، جن کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے، جن کے ہم محض انسان ہونے کے ناتے سے مکلّف ہیں۔ دو معاہدے ہمارے ساتھ براہ راست ہوئے ہیں، اور ایک یعنی عہد نبوت ہمارے باپ آدم علیہ السلام سے لیا گیا، جس کے ہم ان کی اولاد ہونے کے ناتے سے مکلّف ہیں۔

اگر ہم صابر بننا چاہیں تو ان عہود کی پاس داری ہم پر لازم ہے۔ عہد نبوت کے علاوہ دونوں عہد ہماری فطرت کا حصہ ہیں اور عہد نبوت ہمارے اوپر اپنے باپ کا قرض ہے۔ جس کے ادا کرنے کے ہم ذمہ دار ہیں۔ دین داری اس کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی جب تک ہم ان کیے ہوئے عہد معاہدوں کی پاس داری نہ کریں۔ یہی دین پر قیام ہے۔

دعوت دین اور صبر

دعوت کے راستے میں صبر سے بڑھ کر کوئی زاد سفر نہیں ہے۔ اس کے بغیر دعوت کی دنیا میں ایک قدم چلنا بھی ممکن نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار یہی حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے کہ آپ اللہ کے فیصلوں کا انتظار کریں۔ اپنی دعوت کو زیادہ سمجھتے ہوئے رک نہ جائیں۔

ہمارے دور میں بھی دعوت درحقیقت اسی صبر سے محروم ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس بے صبری کے سبب سے ہم جلد ہی فیصلہ کر گزرتے ہیں۔ ادھر کسی کے منہ سے اجنبی بات سنی، ادھر اسے کافر قرار دے دیا۔ بے صبری دعوت کے میدان کی ایسی آفات میں سے ایک ہے کہ یہ نہ صرف اس وقت دعوت کے پھیلنے میں رکاوٹ ہے، بلکہ فرقہ بندی کا سبب بھی ہے۔

قرآن مجید میں سیدنا یونس علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو صرف اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ وہ ان کی بات نہیں سن رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی اور انھیں مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیا۔ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ سیدنا یونس نے غیرت حق میں قدم اٹھایا تھا، بھلا اس میں اتنی سنگین بات کیا تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنی سخت سزا دی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ بات بالبداہت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دعوت کے ایک مورچہ پر مامور فرمایا تھا اور وہ اگلا حکم آنے سے پہلے ہی وہاں سے چل دیے تھے۔ یقیناً آج کے داعی کو اللہ تعالیٰ خود مامور نہیں فرماتا مگر اتنی بات تو ہے کہ ان رسولوں کی زندگی میں ہمارے لیے اسوہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر و استقامت اور آپ کی میدان دعوت میں تن دہی اور لوگوں کو مسلمان کر دینے کی لگن اور اس کے لیے ان تھک جدوجہد، اور اتنی ان تھک جدوجہد کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم تو اپنے آپ کو ہلکان کر ڈالو گے۔

راہ دعوت میں لوگوں کے نہ سننے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے گریز کے ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ ’خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ‘، (اعراف ۷:۱۹۹) درگزر کرو، نیکی کا مشورہ جاری رکھو اور جو جاہل اور جذباتی قسم کے لوگ تمھارے مقابل میں آتے ہیں ان سے اعراض کرتے رہو۔ گویا صبر دراصل تین چیزوں سے تعبیر ہے:

۱۔ درگزر کرنا

۲۔ اپنے نیکی کے کام پر گامزن رہنا

۳۔ برے رویوں میں الجھنے اور ان پر کڑھتے رہنے کے بجائے ان سے گریز

دعوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر کو یوں بیان کیا ہے:

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ، اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ. (۳۱:۱۷)

''اے میرے بیٹے نماز کا اہتمام رکھ، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور جو مصیبت تمھیں پہنچے اس پر صبر کرو، بے شک یہ باتیں عزیمت کے کاموں میں سے ہیں۔''

یہ حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں رکھ کر جاوداں بنا دیا ہے۔ اس میں انھوں نے بیٹے کو یہ نصیحت کی ہے کہ حق کی نصیحت کرنے اور برائی سے بچنے کے مشورہ دینے میں اور انذار کرنے کی وجہ سے لوگ تمھیں ستائیں گے۔ لوگوں کے ستانے پر تمھیں صبر کرنا ہوگا۔ اور پھر اپنے بیٹے کو انگیخت کرنے کے لیے فرمایا کہ یہ کام ان کے ہیں جن کے حوصلے بلند اور ان کے عزم صمیم ہوتے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ایمان کی دعوت، بالخصوص اس وقت جب وہ تجدید واحیائے دین کی دعوت بن جائے تو وہ یقیناً دشمنیوں پر منتج ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں سب سے زیادہ ستایا گیا ہوں۔

جو لوگ دین وملت کے احیا کے لیے کام کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے دعوت کے میدان میں بے انتہا صبر کی ضرورت ہے۔ ان کے لیے یہ ایسا ہی ہے جیسے جینے والے کے لیے کھانا۔ ورنہ وہ دعوت کے میدان میں فساد ہی کا باعث بنیں گے۔ اس لیے کہ پھر وہ جلد بازی میں کفر وزندیق کے فتوے لگائیں گے۔ منافق وابلیس کے فقرے چست کریں گے۔ جیسا کہ ہم اس دور انحطاط میں دیکھتے ہیں۔

خلاصہ

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ صبر کے معنی دو ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی مشکلات میں حوصلہ وبرداشت سے کام لے، وہ مایوس نہ ہو چیخے اور چلائے نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ ہر حالت میں حق وانصاف پر قائم رہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ دینی رویے کا ایک جز ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ پورے دین پر قائم رہنے کی ایک جدوجہد کا نام ہے۔ اس لحاظ سے یہ شکر کے مقابل مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ یہ دراصل دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ اچھے حالات میں نیکی کرتے رہنا اور تکبر وغرور وغیرہ سے بچنا شکر ہے۔ اور برے حالات میں نیکی کرتے رہنے اور مایوسی وغیرہ سے بچنا صبر ہے۔

اسی لیے قرآن کے بعض اشارات سے جیسا کہ ہم واضح کر آئے ہیں، یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کے مطالبہ کو اگر دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ صبر و شکر ہے۔ جس نے یہ دونوں کام کر لیے وہ جنت کا حق دار ہے۔

اس خلاصہ کو اگر قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں بیان کیا جائے تو یہ ہے کہ آدمی ہر حالت میں اپنے رب کے رب ہونے پر راضی رہے۔ اور کبھی اس حق سے منحرف نہ ہو۔ کسی صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے ایسی بات بتا دیں کہ پھر مجھے کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ تو آپ نے ان کے سوال کی اہمیت ہی کے مطابق یہ جواب دیا کہ 'قل آمنت باللّٰہ ثم استقم'، کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ہمیشہ قائم رہو۔

اسی بات کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھیں تو صبر کے معنی یہ ہیں کہ آدمی زندگی بھر اس موقف پر جما رہے کہ میں آزمایش میں ہوں اور مجھے ہر حالت میں اس آزمایش میں کامیاب ہونا ہے۔ گرم و سرد حالات میں مجھے وہی اعمال کرنے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہوں کہ میں اللہ کو اپنا رب مانتا اور اس کی منشا کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہ مجھے اپنے ان بندوں میں شامل کرے جن سے وہ راضی ہے اور اپنی جنت میں داخل کر لے جس میں بس وہی جائیں گے جن سے وہ راضی ہوگا۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ. (الفجر ۸۹: ۲۷۔ ۳۰)

''اے وہ جس کا دل (ہر حال میں) اپنے خدا سے مطمئن رہا، اب اپنے رب کی طرف چل، تو اس سے راضی وہ تم سے راضی، سو میرے بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔''

اگلے باب میں ہم دیکھیں گے قرآن نے جنت کے حصول کے پہلو سے صبر کی کیا اہمیت بتائی ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org